

پانی تلاش کیا تو ایک نبی یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی اور ایک نبی یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ماں حضرت بی بی ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قدم ان پہاڑیوں پر پڑ جانے سے ان دونوں پہاڑیوں کو یہ عزت و عظمت مل گئی کہ حضرت بی بی ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک مقدس یادگار بن جانے کا ان دونوں پہاڑیوں کو اعزاز و شرف مل گیا اور یہ دونوں پہاڑیاں حج و عمرہ کرنے والوں کے لئے طواف و سعی کا ایک مقبول و محترم مقام بن گئیں۔ اس سے یہ ہدایت کا سبق ملتا ہے کہ اللہ والوں اور اللہ والیوں سے اگر کسی جگہ کو کوئی خاص تعلق حاصل ہو جائے تو وہ جگہ بہت معزز و معظم بن جاتی ہے اور ہر مسلمان کے لئے وہ جگہ قابل تعظیم و لائق احترام ہو جاتی ہے ورنہ مکہ معظمہ میں بہت سی پہاڑیاں اور چھوٹے بڑے بہت سے پہاڑ ہیں، مگر صفا و مروہ کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کو جو تقدس و عظمت حاصل ہے وہ کسی دوسرے پہاڑ کو حاصل نہیں۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ دونوں پہاڑیاں ایک اللہ والی کی ایک مبارک جد و جہد کی یادگار ہیں۔

اسی پر گنبد خضراء اور اولیاء اللہ کے رمضوں اور ان حضرات کی عبادت گاہوں اور دوسرے مقدس مقامات کو قیاس کر لینا چاہئے کہ یہ سب خاصانِ خدا کی نسبت و تعلق کی وجہ سے معزز و معظم اور قابل تقدس و لائق تعظیم و احترام ہیں اور ان سب جگہوں کی تعظیم و توقیر خداوند قدوس کی خوشنودی کا باعث اور ان سب مقامات کی بے ادبی و تحقیر قہر و غضب جبار کا سبب ہے۔ لہذا ان لوگوں کو جو گنبد خضراء اور مقابر اولیاء اللہ کی بے ادبی کرتے اور ان کو منہدم اور مسمار کرنے کا پلان بناتے رہتے ہیں، انہیں ان حقائق کے ستاروں سے ہدایت کی روشنی حاصل کرنی چاہئے اور اپنی نحوستوں اور بد بختیوں سے تائب ہو کر صراطِ مستقیم کی راہ پر ثابت قدم ہو جانا چاہئے۔ خداوند قدوس اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل میں سب کو ہدایت کا نور عطا فرمائے اور صراطِ مستقیم کی شاہراہ پر چلائے۔ (آمین)

﴿۷﴾ ستر آدمی مرکز زندہ ہو گئے

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر چالیس دن کے لئے تشریف لے گئے تو ”سامری“ منافق نے چاندی سونے کے زیورات پگھلا کر ایک بچھڑے کی مورت بنا کر حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں تلے کی مٹی اس مورت کے منہ میں ڈال دی تو وہ زندہ ہو کر بولنے لگا۔ پھر سامری نے مجمع عام میں یہ تقریر شروع کر دی کہ اے بنی اسرائیل! حضرت موسیٰ (علیہ السلام) خدا سے باتیں کرنے کے لئے کوہ طور پر تشریف لے گئے ہیں لیکن خدا تو خود ہم لوگوں کے پاس آ گیا ہے اور بچھڑے کی طرف اشارہ کر کے بولا کہ یہی خدا ہے ”سامری“ نے ایسی گمراہ کن تقریر کی کہ بنی اسرائیل کو بچھڑے کے خدا ہونے کا یقین آ گیا اور وہ بچھڑے کو پوجنے لگے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے واپس تشریف لائے تو بنی اسرائیل کو بچھڑا پوجتے دیکھ کر بے حد ناراض ہوئے پھر غضب و جلال میں آ کر اس بچھڑے کو توڑ پھوڑ کر برباد کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا کہ جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش نہیں کی ہے وہ لوگ بچھڑا پوجنے والوں کو قتل کریں۔ چنانچہ ستر ہزار بچھڑے کی پوجا کرنے والے قتل ہو گئے۔ اس کے بعد یہ حکم نازل ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر آدمیوں کو منتخب کر کے کوہ طور پر لے جائیں اور یہ سب لوگ بچھڑا پوجنے والوں کی طرف سے معذرت طلب کرتے ہوئے یہ دعا مانگیں کہ بچھڑا پوجنے والوں کے گناہ معاف ہو جائیں، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چن چن کر اچھے اچھے ستر آدمیوں کو ساتھ لیا اور کوہ طور پر تشریف لے گئے۔ جب لوگ کوہ طور پر طلب معذرت و استغفار کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ ”اے بنی اسرائیل! میں ہی ہوں، میرے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں میں نے ہی تم لوگوں کو فرعون کے ظلم سے نجات دے کر تم لوگوں کو بچایا ہے لہذا تم لوگ فقط میری ہی عبادت کرو اور میرے سوا کسی کو مت پوجو۔“

اللہ تعالیٰ کا یہ کلام سن کر یہ ستر آدمی ایک زبان ہو کر کہنے لگے کہ اے موسیٰ! ہم ہرگز ہرگز آپ کی بات نہیں مانیں گے جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں۔ یہ ستر آدمی اپنی ضد پر بالکل اڑ گئے کہ ہم کو آپ خدا کا دیدار کرائیے ورنہ ہم ہرگز نہیں مانیں گے کہ خداوند عالم نے یہ فرمایا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کو بہت سمجھایا، مگر یہ شریر و سرکش لوگ اپنے مطالبہ پر اڑے رہ گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے غضب و جلال کا اظہار اس طرح فرمایا کہ ایک فرشتہ آیا اور اس نے ایک ایسی خوفناک چیخ ماری کہ خوف و ہراس سے لوگوں کے دل پھٹ گئے اور یہ ستر آدمی مر گئے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند عالم سے کچھ گفتگو کی اور ان لوگوں کے لئے زندہ ہو جانے کی دعا مانگی تو یہ لوگ زندہ ہو گئے۔

(تفسیر صاوی، ج ۱، ص ۶۵، ۶۶، پ ۱، البقرة: ۵۵، ۵۶)

وَ اذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ بِكَ حَتّٰى نَرٰى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذْتُمْ
الصُّعْقَةَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ۝۶۱ (پ ۱، البقرة: ۵۵، ۵۶)

ترجمہ کنزالایمان:۔ اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم ہرگز تمہارا یقین نہ لائیں گے جب تک علانیہ خدا کو نہ دیکھ لیں تو تمہیں کڑک نے آ لیا اور تم دیکھ رہے تھے پھر مرے پیچھے ہم نے تمہیں زندہ کیا کہ کہیں تم احسان مانو۔

درس ہدایت:- {۱} اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ اپنے پیغمبر کی بات نہ مان کر اپنی ضد پر اڑے رہنا بڑی ہی خطرناک بات ہے پھر ان ستر آدمیوں کا مرکز زندہ ہو جانا یہ خداوند قدوس کی قدرت کاملہ کا اظہار و اعلان ہے، تاکہ لوگ ایمان رکھیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب مرے ہوئے انسانوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا۔

{۲} اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا قانون یہ تھا کہ گناہ

شرک کرنے والوں کو قتل کر دیا جائے، پھر قوم کے نیک لوگ ان کے لئے طلب معذرت اور دعاء مغفرت کریں، تب ان شرک کرنے والوں کی توبہ قبول ہوتی تھی۔ مگر ہمارے حضور سید الانبیاء خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت چونکہ آسان شریعت ہے اس لئے اس کے قانون میں توبہ قبول ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ گناہ کرنے والے نے اگرچہ کفر و شرک کا گناہ کر لیا ہو سچے دل سے اپنے گناہ پر اللہ تعالیٰ کے حضور شرمندہ ہو کر معافی طلب کرے اور اپنے دل میں یہ عہد و غم کرے کہ پھر وہ یہ گناہ نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا اور اس کے گناہ کو معاف فرمادے گا۔ توبہ قبول ہونے کے لئے گناہ کرنے والوں کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

سبحان اللہ! یہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کے طفیل ہے کہ وہ اپنی امت پر رؤف و رحیم اور بے حد مہربان ہیں تو ان کے طفیل اللہ تعالیٰ بھی اپنے حبیب کی امت پر بہت زیادہ رحیم و کریم بلکہ ارحم الراحمین ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

﴿۸﴾ ایک تاریخی مناظرہ

یہ نمرود اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا مناظرہ ہے جس کی روئید اقرآن مجید میں مذکور ہے۔

نمرود کون تھا؟:- ”نمرود“ بڑے طنطنے کا بادشاہ تھا سب سے پہلے اس نے اپنے سر پر تاج شاہی رکھا اور خدائی کا دعویٰ کیا۔ یہ ولد الزنا اور حرامی تھا اور اس کی ماں نے زنا کر لیا تھا جس سے نمرود پیدا ہوا تھا کہ سلطنت کا کوئی وارث پیدا نہ ہوگا تو بادشاہت ختم ہو جائے گی۔ لیکن یہ حرامی لڑکا بڑا ہو کر بہت اقبال مند ہوا اور بہت بڑا بادشاہ بن گیا۔ مشہور ہے کہ پوری دنیا کی بادشاہی صرف چار ہی شخصوں کو ملی جن میں سے دو مومن تھے اور دو کافر۔ حضرت سلیمان

علیہ السلام اور حضرت ذوالقرنین تو صاحبان ایمان تھے اور نمرود و بخت نصر یہ دونوں کافر تھے۔ نمرود نے اپنی سلطنت بھر میں یہ قانون نافذ کر دیا تھا کہ اس نے خوراک کی تمام چیزوں کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ یہ صرف ان ہی لوگوں کو خوراک کا سامان دیا کرتا تھا جو لوگ اس کی خدائی کو تسلیم کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے دربار میں غلہ لینے کے لئے تشریف لے گئے تو اس خبیث نے کہا کہ پہلے تم مجھ کو اپنا خدا تسلیم کرو جی میں تم کو غلہ دوں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھرے دربار میں علی الاعلان فرما دیا کہ تو جھوٹا ہے اور میں صرف ایک خدا کا پرستار ہوں جو وحدہ لا شریک لہ ہے یہ سن کر نمرود آپ سے باہر ہو گیا اور آپ کو دربار سے نکال دیا اور ایک دانہ بھی نہیں دیا۔ آپ اور آپ کے چند متبعین جو مومن تھے بھوک کی شدت سے پریشان ہو کر جاں بلب ہو گئے۔ اس وقت آپ ایک تھیلے لے کر ایک ٹیلے کے پاس تشریف لے گئے اور تھیلے میں ریت بھر کر لائے اور خداوند قدوس سے دعا مانگی تو وہ ریت آٹا بن گئی اور آپ نے اس کو اپنے متبعین کو کھلایا اور خود بھی کھایا۔ پھر نمرود کی دشمنی اس حد تک بڑھ گئی کہ اس نے آپ کو آگ میں ڈلوادیا۔ مگر وہ آگ آپ پر گلزار بن گئی اور آپ سلامتی کے ساتھ اس آگ سے باہر نکل آئے اور علی الاعلان نمرود کو جھوٹا کہہ کر خدائے وحدہ لا شریک لہ کی توحید کا چرچا کرنے لگے۔ نمرود نے آپ کے کلمہ حق سے تنگ آ کر ایک دن آپ کو اپنے دربار میں بلایا اور حسب ذیل مکالمہ بہ صورت مناظرہ شروع کر دیا۔

(تفسیر صاوی، ج ۱، ص ۲۱۹، ۲۲۰، ۳، البقرة: ۲۵۸)

نمرود: اے ابراہیم! بتاؤ تمہارا رب کون ہے جس کی عبادت کی تم لوگوں کو دعوت دے رہے ہو؟

حضرت ابراہیم: اے نمرود! میرا رب وہی ہے جو لوگوں کو جلاتا اور مارتا ہے۔

نمرود: یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں چنانچہ اس وقت اس نے دو قیدیوں کو حیل خانہ سے دربار میں

بولو ایک کو موت کی سزا ہو چکی تھی اور دوسرا رہا ہو چکا تھا۔ نمرود نے پھانسی پانے والے کو تو چھوڑ دیا اور بے قصور کو پھانسی دے دی اور بولا کہ دیکھ لو کہ جو مردہ تھا میں نے اس کو جلا دیا اور جو زندہ تھا میں نے اس کو مردہ کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ نمرود بالکل ہی احمق اور نہایت ہی گھامڑ آدمی ہے جو ”جلا نے اور مارنے“ کا یہ مطلب سمجھ بیٹھا، اس لئے آپ نے اس کے سامنے ایک دوسری بہت ہی واضح اور روشن دلیل پیش فرمائی۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا:

حضرت ابراہیم: اے نمرود! میرا رب وہی ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اگر تو خدا ہے تو ایک دن سورج کو مغرب سے نکال دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دلیل سن کر نمرود مبہوت و حیران رہ گیا اور کچھ بھی نہ بول سکا۔ اس طرح یہ مناظرہ ختم ہو گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس مناظرہ میں فتح مند ہو کر دربار سے باہر تشریف لائے اور تو حید الہی کا وعظ علی الاعلان فرمانا شروع کر دیا۔ قرآن مجید نے اس مناظرہ کی روئیداد ان لفظوں میں بیان فرمائی کہ

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ
إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ ۖ قَالَ إِبْرَاهِيمُ
فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ
الَّذِي كَفَرَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٢٥٨﴾ (پ ۳، البقرة: ۲۵۸)

ترجمہ کنزالایمان: اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تھا اسے جو ابراہیم سے جھگڑا اس کے رب کے بارے میں اس پر کہ اللہ نے اسے بادشاہی دی جب کہ ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے کہ جلاتا اور مارتا ہے بولا میں جلاتا اور مارتا ہوں ابراہیم نے فرمایا تو اللہ سورج کو لاتا ہے پورب سے تو اس کو بچھٹم سے لے آ تو ہوش اڑ گئے کافر کے اور اللہ راہ نہیں دکھاتا ظالموں کو۔

درسِ ہدایت :- اس واقعہ سے چند اسباق کی روشنی ملتی ہے کہ

{ ۱ } حضرت ابراہیم علیہ السلام خداوند تعالیٰ کی توحید کے اعلان پر پہاڑ کی طرح قائم رہے نہ نمرود کی بے شمار فوجوں سے خائف ہوئے، نہ اس کے ظلم و جبر سے مرعوب ہوئے بلکہ جب اس ظالم نے آپ کو آگ کے شعلوں میں ڈلوادیا اس وقت بھی آپ کے پائے عزم و استقلال میں بال برابر لغزش نہیں ہوئی اور آپ برابر نعرہٴ توحید بلند کرتے رہے پھر اس بے رحم نے آپ پر داندہ پانی بند کر دیا۔ اس پر بھی آپ کے عزم و استقامت میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔ پھر اس نے آپ کو مناظرہ کا چیلنج دیا اور دربارِ شاہی میں طلب کیا تاکہ شاہی رعب و داب دکھا کر آپ علیہ السلام کو مرعوب کر دے لیکن آپ نے بالکل بے خوف ہو کر مناظرہ کا چیلنج قبول فرمالیا اور دربارِ شاہی میں پہنچ کر ایسی مضبوط اور دندان شکن دلیل پیش فرمائی کہ نمرود کے ہوش اڑ گئے اور وہ ہکا بکا ہو کر لا جواب اور خاموش ہو گیا اور بھرے دربار میں اس کلمہ حق کی تجلی ہو گئی کہ

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿۸۱﴾ (پ ۱۵، بنی اسرائیل: ۸۱)

ترجمہ کنزالایمان: حق آیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا۔

بالآخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صداقت و حقانیت کا پرچم سر بلند ہو گیا اور نمرود ایک چمچر جیسی حقیر مخلوق سے ہلاک کر دیا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اُسوۂ حسنہ سے علماء حق کو سبق لینا چاہئے کہ باطل پرستوں کے مقابلہ میں ہر قسم کے خوف و ہراس اور نکالیف سے بے نیاز ہو کر آخری دم تک ڈٹے رہنا چاہئے اور یہ ایمان و یقین رکھنا چاہئے کہ ضرور ضرور نصرتِ خداوندی ہماری امداد و دستگیری فرمائے گی اور بالآخر باطل پرستوں کے مقابلہ میں ہم ہی فتح مند ہوں گے اور باطل پرست یقیناً خائب و خاسر ہو کر ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔

{ ۲ } یہ ایمان و عقیدہ مضبوطی کے ساتھ رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہم حق پرستوں کو غیب سے روزی کا سامان دے گا کیونکہ ظالم نمرود نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو غلہ دینا بند کر دیا

اور ملک بھر میں ان کو کہیں ایک دانہ بھی نہیں ملا تو اللہ تعالیٰ نے ریت اور مٹی کو ان کے لئے آٹا بنادیا اور اسلام کے اس عقیدہ کی حقانیت کا سورج چمک اٹھا کہ

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ﴿۵۸﴾ (پ ۲۷، الذاریات: ۵۸)

ترجمہ کنزالایمان:- بے شک اللہ ہی بڑا رزق دینے والا قوت والا قدرت والا ہے۔

بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ طرز فکر و عمل اور آپ کا یہ اُسوۂ تمام حق پرست عالموں کے لئے چراغِ راہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کے اُسوۂ حسنہ پر عمل کرنے والے ضرور ضرور کامیابی سے ہمکنار ہوں گے یہ وہ تابندہ حقیقت ہے جو آفتابِ عالم تاب سے بھی زیادہ تابناک اور روشن ہے۔ سبحان اللہ! کس قدر حقیقت افروز ہے یہ شعر کہ

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا

آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

﴿۹﴾ انسانوں میں ہمیشہ دشمنی رہے گی

حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام نہایت ہی آرام اور چین کے ساتھ جنت میں رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا تھا کہ جنت کا جو پھل بھی چاہو بے روک ٹوک سیر ہو کر تم دونوں کھا سکتے ہو۔ مگر صرف ایک درخت کا پھل کھانے کی ممانعت تھی کہ اس کے قریب مت جانا۔ وہ درخت گیہوں تھا یا انگور وغیرہ تھا۔ چنانچہ دونوں اس درخت سے مدت دراز تک بچتے رہے۔ لیکن ان دونوں کا دشمن ابلیس برابر تاک میں لگا رہا۔ آخر اس نے ایک دن اپنا وسوسہ ڈال ہی دیا اور قسم کھا کر کہنے لگا کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں اور اللہ تعالیٰ نے جس درخت سے تم دونوں کو منع کر دیا ہے وہ ”شجرۃ الخلد“ ہے یعنی جو اس درخت کا پھل کھائے گا، وہ کبھی جنت سے نہیں نکالا جائے گا۔ پہلے حضرت حوا علیہا السلام اس شیطانی وسوسہ کا شکار ہو گئیں اور انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو بھی اس پر راضی کر لیا اور وہ ناگہاں غیر ارادی طور پر اس درخت کا پھل

کھا گئے۔

آپ نے اپنے اجتہاد سے یہ سمجھ لیا کہ لَا تَقْرَبُوا هَذِهِ الشَّجَرَةَ (پ ۱، البقرة: ۳۵) کی نہی تنزیہی ہے اور واقعی ہرگز ہرگز نہی تحریمی نہیں تھی۔ ورنہ حضرت آدم علیہ السلام نبی ہوتے ہوئے ہرگز ہرگز اس درخت کا پھل نہ کھاتے کیونکہ نبی تو ہر گناہ سے معصوم ہوتا ہے بہر حال حضرت آدم علیہ السلام سے اس سلسلے میں اجتہادی خطا سرزد ہو گئی اور اجتہادی خطا معصیت نہیں ہوتی۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص ۱۰۹، ۱، پ ۱، البقرة: ۳۶)

لیکن حضرت آدم علیہ السلام چونکہ دربار الہی میں بہت مقرب اور بڑے بڑے درجات پر فائز تھے اس لئے اس اجتہادی خطا پر بھی موردِ عتاب ہو گئے۔ فوراً ہی بہشتی لباس دونوں کے بدن سے گر پڑے اور یہ دونوں جنت کے پتوں سے اپنا ستر چھپانے لگے، اور خداوند قدوس کا حکم ہو گیا کہ تم دونوں جنت سے زمین پر اتر پڑو۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے دو خاص باتیں ارشاد فرمائیں۔ ایک تو یہ کہ تمہاری اولاد میں بعض، بعض کا دشمن ہوگا کہ ہمیشہ آپس میں انسانوں کی دشمنی چلتی رہے گی۔ دوسری یہ کہ عمر بھر تم دونوں کوزمین میں ٹھہرنا ہے پھر اس کے بعد ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس واقعہ کو بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ۚ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِينٍ ۝۳۶

(پ ۱، البقرة: ۳۶)

ترجمہ کنزالایمان: تو شیطان نے جنت سے انہیں لغزش دی اور جہاں رہتے تھے وہاں سے انہیں الگ کر دیا اور ہم نے فرمایا نیچے اترو آپس میں ایک تمہارا دوسرے کا دشمن اور تمہیں ایک وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور برتنا ہے۔

اس ارشادِ ربانی سے یہ سبق ملتا ہے کہ یہ جو انسانوں میں مختلف وجوہات کی بناء پر عداوتیں اور دشمنیاں چل رہی ہیں یہ کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ لاکھ کوشش کرو کہ دنیا میں لوگوں کے درمیان عداوت اور دشمنی کا خاتمہ ہو جائے مگر چونکہ یہ حکم خداوندی کے باعث ہے اس لئے یہ عداوتیں کبھی ہرگز ختم نہ ہوں گی۔ کبھی ایک ملک دوسرے ملک کا دشمن ہوگا، کبھی مزدور اور سرمایہ دار میں دشمنی رہے گی، کبھی امیر و غریب کی عداوت زور پکڑے گی، کبھی مذہبی و لسانی دشمنی رنگ لائے گی، کبھی تہذیب و تمدن کے باہمی ٹکراؤ کی دشمنی ابھرے گی، کبھی ایمان داروں اور بے ایمانوں کی عداوت رنگ دکھائے گی۔

الغرض دنیا میں انسانوں کی آپس میں عداوت و دشمنی کا بازار ہمیشہ گرم ہی رہے گا اس لئے لوگوں کو اس سے رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہونے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے اور نہ اس عداوت اور دشمنی کو ختم کرنے کی تدبیروں پر غور و خوض کر کے پریشان ہونے سے کوئی فائدہ ہے۔

کیونکہ جس طرح اندھیرے اور اجالے کی دشمنی، آگ اور پانی کی دشمنی، گرمی اور سردی کی دشمنی کبھی ختم نہیں ہو سکتی، ٹھیک اسی طرح انسانوں میں آپس کی دشمنی کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اللہ عز و جل نے حضرت آدم و حوا علیہما السلام کے زمین پر آنے سے پہلے ہی یہ فرما دیا کہ **بَعْضُكُم لِبَعْضٍ عَدُوٌّ** یعنی ایک انسان دوسرے انسان کا دشمن ہوگا تو یہ عداوت و دشمنی خلقی اور فطری ہے جو حکمِ الہی اور اس کی مشیت سے ہے تو پھر بھلا کون ہے جو اس عداوت کا دنیا سے خاتمہ کر سکتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿۱۰﴾ آدم علیہ السلام کی توبہ کیسے قبول ہوئی؟

حضرت آدم علیہ السلام نے جنت سے زمین پر آنے کے بعد تین سو برس تک ندامت کی وجہ سے سر اٹھا کر آسمان کی طرف نہیں دیکھا اور روتے ہی رہے روایت ہے کہ اگر تمام انسانوں کے آنسو جمع کئے جائیں تو اتنے نہیں ہوں گے جتنے آنسو حضرت داؤد علیہ السلام کے خوفِ الہی

سے زمین پر گرے اور اگر تمام انسانوں اور حضرت داؤد علیہ السلام کے آنسوؤں کو جمع کیا جائے تو حضرت آدم علیہ السلام کے آنسو ان سب لوگوں سے زیادہ ہوں گے۔

(تفسیر صاوی، ج ۱، ص ۵۵، پ ۱، البقرة: ۳۷)

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے یہ پڑھ کر دعا مانگی کہ
 سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ
 وَلَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ.

یعنی اے اللہ! میں تیری حمد کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتا ہوں۔ تیرا نام برکت والا ہے اور تیری بزرگی بہت ہی بلند مرتبہ ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے تو مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی نہیں جو گناہوں کو بخش دے۔

(تفسیر جمل علی الجلالین، ج ۱، ص ۶۳، پ ۱، البقرة: ۳۷)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۲۳﴾ پڑھا یعنی اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کر لیا اور اگر تو ہمیں رحم نہ فرما کر نہ بخشے گا تو ہم گناہاں اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

(تفسیر جلالین، ص ۱۳۱، پ ۸، الاعراف: ۲۳)

لیکن حاکم وطبرانی و ابونعیم و بیہقی نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام پر عتاب الہی ہوا تو آپ توبہ کی فکر میں حیران تھے۔ ناگہاں اس پریشانی کی عالم میں یاد آیا کہ وقت پیدائش میں نے سراٹھا کر دیکھا تھا کہ عرش پر لکھا ہوا ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ اسی وقت میں نے سمجھ لیا تھا کہ بارگاہِ الہی میں وہ مرتبہ کسی کو میسر نہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام اپنے نام اقدس کے ساتھ ملا کر عرش پر تحریر فرمایا ہے۔ لہذا آپ نے اپنی دعا میں رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا کے

ساتھ یہ عرض کیا کہ اسئلك بحق محمد ان تغفرلى اور ابن منذر کی روایت میں یہ کلمات بھی ہیں کہ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ بِجَاهِ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَكَرَامَتِهِ عَلَيْكَ اَنْ تَغْفِرَ لِّىْ حَاطِبِىَّتِیْ

یعنی اے اللہ! تیرے بندہ خاص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جاہ و مرتبہ کے طفیل میں اور ان کی بزرگی کے صدقے میں جو انہیں تیرے دربار میں حاصل ہے میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو میرے گناہ کو بخش دے۔ یہ دعا کرتے ہی حق تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرمادی اور توبہ مقبول ہوئی۔

(تفسیر خزائن العرفان، ص ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱، البقرة: ۳۷)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

فَتَكَلَّمْ اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهِ ۖ كَلِمَتٍ فُتَابَ عَلَيْهِ ۖ اِنَّهُ هُوَ التَّوَابُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۷﴾

(پ ۱، البقرة: ۳۷)

ترجمہ کنزالایمان: پھر سیکھ لئے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کی بیشک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان۔

دوسرے ہدایت: اس واقعہ سے چند اسباق پر روشنی پڑتی ہے جو یہ ہیں:

{ ۱ } اس سے معلوم ہوا کہ مقبولانِ بارگاہِ الہی کے وسیلہ سے بحق فلاں و بجاہ فلاں کہہ کر دعا مانگنی جائز اور حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے۔

{ ۲ } حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ دسویں محرم کو قبول ہوئی جنت سے نکلتے وقت دوسری نعمتوں کے ساتھ عربی زبان بھی آپ سے بھلا دی گئی تھی اور بجائے اس کے سریانی زبان آپ کی زبان پر جاری کر دی گئی تھی۔ مگر توبہ قبول ہونے کے بعد پھر عربی زبان بھی آپ کو عطا کر دی گئی۔

(تفسیر خزائن العرفان، ص ۱۰۹۵، ۱، البقرة: ۳۷)

{ ۳ } چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی خطا اجتہادی تھی اور اجتہادی خطا معصیت نہیں ہے اس لیے جو شخص حضرت آدم علیہ السلام کو عاصی یا ظالم کہے گا وہ نبی کی توہین کے سبب سے کافر ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مالک و مولیٰ ہے وہ اپنے بندہ خاص حضرت آدم علیہ السلام کو جو چاہے فرمائے اس میں ان کی عزت ہے دوسرے کی کیا مجال کہ خلاف ادب کوئی لفظ زبان پر لائے اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے فرمائے ہوئے کلمات کو دلیل بنائے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں انبیائے کرام علیہم السلام کی تعظیم و توقیر اور ان کے ادب و اطاعت کا حکم فرمایا ہے لہذا ہم پر یہی لازم ہے کہ ہم حضرت آدم علیہ السلام اور دوسرے تمام انبیاء کرام کا ادب و احترام لازم جانیں اور ہرگز ہرگز ان حضرات کی شان میں کوئی ایسا لفظ نہ بولیں جس میں ادب کی کمی کا کوئی شبہ بھی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿ ۱۱ ﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ ”حواری“ جو آپ پر ایمان لا کر اور اپنے اپنے اسلام کا اعلان کر کے اپنے تن من و دھن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نصرت و حمایت کے لئے ہر وقت اور ہر دم کمر بستہ رہے، یہ کون لوگ تھے؟ اور ان لوگوں کو ”حواری“ کا لقب کیوں اور کس معنی کے لحاظ سے دیا گیا؟

تو اس بارے میں صاحب تفسیر جمل نے فرمایا کہ ”حواری“ کا لفظ ”حور“ سے مشتق ہے جس کے معنی سفیدی کے ہیں چونکہ ان لوگوں کے کپڑے نہایت سفید اور صاف تھے اور ان کے قلوب اور نیتیں بھی صفائی ستھرائی میں بہت بلند مقام رکھتی تھیں اس بناء پر ان لوگوں کو ”حواری“ کہنے لگے اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ چونکہ یہ لوگ رزق حلال طلب کرنے کے لئے دھوبی کا پیشہ اختیار کر کے کپڑوں کی دھلائی کرتے تھے اس لئے یہ لوگ ”حواری“ کہلائے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ سب لوگ شاہی خاندان سے تھے اور بہت ہی صاف اور سفید کپڑے پہنتے تھے

اس لئے لوگ ان کو حواری کہنے لگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک پیالہ تھا جس میں آپ کھانا کھایا کرتے تھے اور وہ پیالہ کبھی کھانے سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ کسی نے بادشاہ کو اس کی اطلاع دے دی تو اس نے آپ کو دربار میں طلب کر کے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں عیسیٰ بن مریم خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ وہ بادشاہ آپ کی ذات اور آپ کے معجزات سے متاثر ہو کر آپ پر ایمان لایا اور سلطنت کا تخت و تاج چھوڑ کر اپنے تمام اقارب کے ساتھ آپ کی خدمت میں رہنے لگا۔ چونکہ یہ شاہی خاندان بہت ہی سفید پوش تھا۔ اس لئے یہ سب ”حواری“ کے لقب سے مشہور ہو گئے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ سفید پوش چھیروں کی ایک جماعت تھی جو مچھلیوں کا شکار کیا کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم لوگ مچھلیوں کا شکار کرتے ہو اگر تم لوگ میری پیروی کرنے پر کمر بستہ ہو جاؤ تو تم لوگ آدمیوں کا شکار کر کے ان کو حیات جاودانی سے سرفراز کرنے لگو گے۔ ان لوگوں نے آپ سے معجزہ طلب کیا تو اس وقت ”شمعون“ نامی مچھلی کے شکاری نے دریا میں جال ڈال رکھا تھا مگر ساری رات گزر جانے کے باوجود ایک مچھلی بھی جال میں نہیں آئی تو آپ نے فرمایا کہ اب تم جال دریا میں ڈالو۔ چنانچہ جیسے ہی اس نے جال کو دریا میں ڈالا لمحہ بھر میں اتنی مچھلیاں جال میں پھنس گئیں کہ جال کو کشتی والے نہیں اٹھا سکے۔ چنانچہ دو کشتیوں کی مدد سے جال اٹھایا گیا اور دونوں کشتیاں مچھلیوں سے بھر گئیں۔ یہ معجزہ دیکھ کر دونوں کشتی والے جن کی تعداد بارہ تھی سب کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ ان ہی لوگوں کا لقب ”حواری“ ہے۔

اور بعض علماء کا قول ہے کہ بارہ آدمی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور ان لوگوں کے ایمان کامل اور حسن نیت کی بناء پر ان لوگوں کو یہ کرامت مل گئی کہ جب بھی ان لوگوں کو بھوک لگتی تو یہ لوگ کہتے کہ یا روح اللہ! ہم کو بھوک لگی ہے، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر